

یہ شمعیں چھوٹی چھوٹی سی

ابنِ مُنیب

یہ شمعیں چھوٹی
چھوٹی سی

ابنِ مُنیب

یہ شمعیں چھوٹی چھوٹی سی

کور امیج: لاریسہ کوشکینا

ای میل ibnay.muneeb@gmail.com

ٹویٹر @ibnay.muneeb

صفحہ facebook.com/ibnay.muneeb

بچوں کے نام

یہ شمعیں چھوٹی چھوٹی سی

کل ممکن ہے خورشید بنیں

(اِبنِ مُنیبؔ)

تعارف

بسم اللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ۔

"یہ شمعیں چھوٹی چھوٹی سی" کے عنوان سے میرا چوتھا مجموعہِ کلام پیشِ خدمت ہے۔ اس میں وہ اشعار شامل ہیں جو تیسرے مجموعے "رستے منزل ہو جاتے ہیں" کی الیکٹرانک اشاعت (نومبر ۲۰۱۶) سے اب تک لکھے۔ عنوان اور انتساب کے حوالے سے صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ بچوں کی تربیت کو ایک اہم ترین ذمہ داری اور بہتر اجتماعی مستقبل کی تعمیر کا سنہری موقع سمجھ کر نبھائیں، اور اِس سلسلے میں نصابی مواد اور سیپارہ پڑھا دینے کو کافی مت سمجھیں۔ اپنے قول و فعل اور پھر بچوں کے ساتھ اِس مقصد کے لئے گزارے گئے وقت کی مدد سے اگر ہم اُن میں علم دوستی، تعاون، تحقیق، احترام اور امن پسندی جیسے شعار پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں کہ آنے والے دنوں میں ہمارے اکثر دینی و سماجی مسائل ختم ہونے لگیں اور ہمارے بچے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھ پائیں جہاں عالم ہو نہ جاہل، صرف علم کی تڑپ ہو، جہاں سائل ہو نہ صاحب، بس رزق کی منصفانہ تقسیم ہو، اور جہاں عہدے کو سلام ہو نہ رتبے کو، بلکہ خدمت ہو تو سب سے پہلے کمزور کی۔

کتاب کے بارے میں اپنی آراء اور اپنے خیالات سے ضرور نوازیے گا۔

بہت شکریہ،

اِبنِ مُنیبؔ

دسمبر ۲۰۱۷

فہرست

جگنو بچے *

یہ شمعیں چھوٹی چھوٹی سی
کل ممکن ہے خورشید بنیں
کل ممکن ہے اے اہلِ چمن
بے درد اندھیرے مِٹ جائیں
کل ممکن ہے اے اہلِ چمن
ظالم نہ رہے ظلمت نہ رہے
کل ممکن ہے اے اہلِ چمن
ہر جان فروزاں ہو جائے
کل ممکن ہے اے اہلِ چمن
رہبر نہ رہے رہزن نہ رہے
کل ممکن ہے اے اہلِ چمن
یاں رزق میں سب کا حصہ ہو
کل ممکن ہے اے اہلِ چمن
سائل نہ رہے صاحب نہ رہے

(* بچوں اور بڑوں کے لئے)

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

کھلیان برابر بٹ جائیں

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

آقا نہ رہے بندہ نہ رہے

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

کمزور کی خدمت پہلے ہو

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

عہدہ نہ رہے رتبہ نہ رہے

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

سب علم کے طالب ہو جائیں

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

عالم نہ رہے جاہل نہ رہے

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

قانون محافظ ہو سب کا

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

بیکَس نہ رہے بے بس نہ رہے

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

تحقیق ہمارا شیوہ ہو

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

یاں صید نہ ہو صیاد نہ ہو

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

احساس کے قیدی ہوں ہم سب

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

آزاد جو ہو آزاد نہ ہو

ہاں ممکن ہے اے اہلِ چمن

یہ سن رکھّو اور جان رکھو

ان چھوٹی چھوٹی شمعوں سے

غافل نہ رہو غافل نہ رہو

یہ شمعیں چھوٹی چھوٹی سی

کل ممکن ہے خورشید بنیں

کل ممکن ہے اے اہلِ چمن

بے درد اندھیرے مِٹ جائیں



پھر سے دید و شنید ہو جائے

دل سراپا اُمید ہو جائے

دُور ہوتا گیا ہے وہ ہم سے

جیسے ماضی بعید ہو جائے

اُس کی قسمت پہ رشک جو اپنی

جستجو میں شہید ہو جائے

تار بن کر تڑپ اُٹھے ہستی

درد ایسا شدید ہو جائے

آپ کہتے ہیں دل نہیں دیں گے

بات اِس پر مزید ہو جائے؟

حشر تک انتظار کر لیں گے

کوئی وعدہ وعید ہو جائے

زخم دیتے ہوئے کہا اُن نے
عاشقی کی رسید ہو جائے؟

گر بڑھا دیں وہ ہاتھ بیعَت کو
سخت کافر مُرید ہو جائے

لے کے نکلیں وہ ہاتھ میں خنجر
جانثاروں کی عید ہو جائے

شانِ ماضی پہ بیٹھنے والو
ذکرِ عہدِ جدید ہو جائے؟

آنکھ ہو تو حقیقتِ ہستی
چشمِ نم سے کشید ہو جائے

کیا خبر ہے مُنیبؔ تاریکی
صبحِ نو کی نوید ہو جائے



کبھی انسان کا بننا خدا اچھا نہیں ہوتا
جنابِ شیخ سے کہہ دو اُنہیں سجدہ نہیں ہوتا

بجھا دیتے ہیں وہ مکتب دلوں کی روشنی جن میں
"عصائیں" لاکھ ہوتی ہیں، یدِ بیضا نہیں ہوتا

کہا مجھ سے قلندر نے سمجھ آسان سا نکتہ
غمِ جاناں ہو جس دل میں، غمِ دنیا نہیں ہوتا

تلاطم خیز موجوں میں اترنا ہے بکھرنا ہے
جہادِ زندگی صاحب لبِ دریا نہیں ہوتا

قلم پکڑو، جگر تھامو، کہو دل کی، سنو دل کی
نہ ہو جب تک جنوں کامل، سخن پختہ نہیں ہوتا

نہ ہے رہزن کا ڈر ہم کو نہ رہبر کی تمنا کچھ
وہاں سے ہم گزرتے ہیں جہاں رستہ نہیں ہوتا

ہمیں ہے نالۂ بلبل سبَق محفل گدازی کا
جگر خوں کر نہیں سکتا، جو دل ٹُوٹا نہیں ہوتا

فقیروں کی صدا سُن لے، مُنیبؔ باوفا سُن لے
ہر اِک دَر پر نہیں رکھنا، کہ دل پیالہ نہیں ہوتا



رحمتِ صلی علیٰ کی پیروی بن جایئے
دوسرا اچھا نہیں تو آپ ہی بن جایئے

لُوٹیے کچھ اس طرح سے راحتِ قلبِ مُنیبؔ
پہلے بنیے جزوِ ہستی، پھر کمی بن جایئے

رفتہ رفتہ جنگلوں میں ہو گئی ضرب المثل
قتلِ ناحق سر میں ہو تو آدمی بن جایئے

آشنائی ہے سراسر اور سراسر دردِ سر
اِس جہانِ بے وفا میں اجنبی بن جایئے

بانٹیے گر علم، برسیں ابرِ رحمت کی طرح
سیکھنے کی بات ہو تو تشنگی بن جایئے

سرِ عالم رازِ ہستی قلبِ مضطر میں نہاں
آگ سی اندر جلا کر آگہی بن جایئے

کیجئیگا کب تلک یُوں شکوہِ ظلمت مُنیبؔ
خود سَحَر تازہ کی پہلی روشنی بن جایئے



نفس قیدی یُوں جان سے نکلا

تیِر جیسے کمان سے نکلا

پھر نہ آیا وہ لوٹ کر صاحب

"جو کوئی اِس مکان سے نکلا"

ہم تھے ایوب تیری محفل میں

اِک نہ شکوہ زبان سے نکلا

کچھ نہ پایا جہان میں باقی

جب میں تیرے دھیان سے نکلا

آ کے بولے وہ قبر پر میری

شکر ہے امتحان سے نکلا!

تُو نہ آیا مگر گماں تیرا

کب دلِ خوش گمان سے نکلا

ایک تیشے پہ آ ملِے دونوں

کیسا رستہ چٹان سے نکلا

بَیچ کر نفرتیں سرِ منبر
شیخ اپنی دُکان سے نکلا

سنگ، جس پر تھا خون کلیوں کا
آخرش باغبان سے نکلا

جو بھی آیا جہان میں خاکی
خاک ہو خاکدان سے نکلا

چوٹ دَر چوٹ جب پڑے لمحے
ایک بوڑھا جوان سے نکلا

حُسن تیرا کِیا بیاں جب بھی
شعر علمِ بیان سے نکلا

تھک کے لیٹا مُنیبؔ بالآخر
کاروانِ جہان سے نکلا



(واوین میں مصرع میر کا ہے)

سب غم مُہمَل ہو جاتے ہیں
آج نہیں، کل ہو جاتے ہیں

پَل دو پَل کے کھیل میں شامل
ہم بھی دو پَل ہو جاتے ہیں

یادیں گھائل کر دیتی ہیں
لمحے دلدل ہو جاتے ہیں

اِک دن سپنے سارے پگلی
بہتا کاجل ہو جاتے ہیں

وقت کی گہری دُھند میں راہی
آنکھ سے اوجھل ہو جاتے ہیں

ایسے بھی ہیں لوگ جہاں میں
دھوپ میں بادَل ہو جاتے ہیں

آ بیٹھیں جب بِیچ انائیں
رشتے دنگل ہو جاتے ہیں

قید ہو جن میں یار کی خوشبو
شعر وہ صندل ہو جاتے ہیں

جاگے جب احساس دلوں میں
لہجے کوَمل ہو جاتے ہیں

بوتل سے دکھ بانٹنے والے
نذرِ بوتل ہو جاتے ہیں

کچھ کو کرتا ہے جگ پاگل
اور کچھ پاگل ہو جاتے ہیں

ایوانوں میں عدل نہ ہو تو
شہر بھی جنگل ہو جاتے ہیں

پہرے ہوں جب سوچ پہ صاحب
مکتب مقتل ہو جاتے ہیں



ایک غبارہ دو غبارے

ایک غبارہ دو غبارے تین غبارے چار
کتنے سارے، کتنے پیارے، دیکھو دیکھو یار
پانچ غبارے چھ غبارے سات غبارے آٹھ
سارے لے کر اُڑ گیا کوئی، ایک نہ آیا ہاتھ



(بچوں کے لئے۔ انگریزی نرسری نظم "ون پوٹیٹو، ٹو پوٹیٹو" کے زیرِ اثر لکھی)

مُنے مُنے

مُنّے مُنّے

جی بابا!

عینک توڑی؟

نہیں بابا!

بوتل پھَوڑی؟

نہیں بابا!

ہاتھ میں پھر کیا پکڑا ہے؟

اِس کا ہی تو جھگڑا ہے!



(بچوں کے لئے۔ انگریزی نرسری نظم "جونی جونی، یس پاپا" کے زیرِ اثر لکھی)

جاں بلب

اُس کے ہونٹوں کو دیکھ کر سب کی
جان ہونٹوں پہ آگئی ہو گی



"محبت" کیا ہے؟ اہلِ علم جانیں!
ہمیں عادت تمہاری ہو گئی ہے

سُنا ہو گا کبھی مجنوں کا قصہ؟
وہی حالت ہماری ہو گئی ہے

ہوَس کا دَور ہے یہ دَورِ حاضر
محبت اختیاری ہو گئی ہے

ہُوا ہے مکر کا قانون رائج
شرافت اشتہاری ہو گئی ہے

کِیا کرتے تھے وہ پہلے بھی گھایل
مگر اب ضرب کاری ہو گئی ہے

سُنا ہے جبر کی جاگیر اُن کی
ہمارے نام ساری ہو گئی ہے

کوئی بے دم کوئی بے خود پڑا ہے
نظر اُن کی شکاری ہو گئی ہے

دل اپنا ہے یا اُن کا، کیا بتائیں!
عجب بے اعتباری ہو گئی ہے

کہو، حُجاج کو پانی پلا کر
حرم کی پاسداری ہو گئی ہے؟

جو حکمت تھی کبھی مومن کو پیاری
وہ اب اللہ کو پیاری ہو گئی ہے

سفَر کا حکم، بوجھ، اور تازیانے
کمر اپنی سواری ہو گئی ہے

مُنیبؔ اب توڑ دو جوشِ جنوں سے
بہت زنجیر بھاری ہو گئی ہے



مائلِ قُرب جب عدو ہو گا
میرا ہر زخم سرخرو ہو گا

جل اُٹھیں گے کہ جب نہ تُو ہو گا
ہجر کی آنچ پر لہو ہو گا

یوں نہ آئے گا وہ نظر صاحب
دل میں ہو گا تو چار سُو ہو گا

بزمِ ساقی میں دیکھنا یارو
شیخ رندوں سے دُو بہ دُو ہو گا

اُس کی آمد چمن میں، کیا کہنے!
پھول پھولوں کے روبرو ہو گا

شب کٹے گی مُنیبؔ کیوں تنہا
ماہ ہو گا یا ماہ رُو ہو گا



یُوں کٹی سزائے اُلفت کسی یاد کے قفَس میں
مَیں اُسے بُھلا نہ پایا جو مجھے بُھلا چُکا تھا

وہی گیت اُس نے گایا سرِ محفلِ رقیباں
جو کبھی سکوتِ شب میں وہ مجھے سُنا چکا تھا

مجھے قربتوں کا ڈر تھا، اُسے دُوریوں سے وحشت
مِرے دُور کرتے کرتے وہ قریب آ چُکا تھا

تھا عبَث تلاش کرنا یوں مُنیبؔ خُوشنوا کو
دمِ صبح آنے والا سرِ شام جا چُکا تھا



پھر اُس وفا سے وفا چاہتا ہوں
"مِری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں"

کھچا آرہا ہوں تجلّی پہ تیری
مجھے کیا خبر ہے میں کیا چاہتا ہوں

ہے مسلک سے مطلب نہ دیر و حرم سے
تِرا قرب تیری رضا چاہتا ہوں

عطا ہو دلِ منتشر کو مُنیبؔ
کوئی در د قبلہ نُما چاہتا ہوں

ثنا خوانِ تقدیسِ دیر و حرم سے
کرم ہائے انساں سُنا چاہتا ہوں

بہت ہو چُکا کھیل جبر و جنوں کا
تماشائے روزِ جزا چاہتا ہوں

ہوس کے فسانے میں الفت کا مارا
مَیں حرفِ غلَط ہوں، مِٹا چاہتا ہوں



(واوین میں مصرع اقبال کا ہے)

سخت مشکل ہے ترے شہر سے جانا جاناں
اِس کے ہر سنگ سے ہے ربط پرانا جاناں

اشک روکے تو ہوئے شعر زباں پر جاری
ہم کو آیا نہ کبھی درد چُھپانا، جاناں

ہم کو خوش آتا ہے تیرا یوں ستانا جاناں
پاس بلوا کے ہمیں دُور بٹھانا جاناں

کس قدَر پیار سے ٹوکا ہے قسم سے اُس نے
"قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا، جاناں"



(آخری شعر میں امیر مینائی کا مصرع ہلکے سے تصرف کے ساتھ استعمال کیا ہے)

جب تُو ہی مہرباں نہیں ہم دم
"زندگی کس طرح بسر ہو گی"

دل سے ہر آرزو نکل جائے
اِک تری آرزو مگر ہو گی

اِک حقیقت رہے گی ناگفتہ
اِک حکایت نگر نگر ہو گی

دیکھنا وہ ہمیں جِلا دیں گے
دیکھنا جیم پر زبر ہو گی

عزم بے داغ، دل جَلا رکھنا
رات کی کوکھ سے سحر ہو گی



(واوین میں مصرع جون ایلیا کا ہے)

معلوم ہے رستہ بھی تِرا اور تری خُو بھی
بگڑا ہوں تِری راہ سے، بھٹکا تو نہیں ہوں

کرتا ہے جو صد لخت بیَک جنبشِ خامہ
اے کاتبِ تقدیر کھلونا تو نہیں ہوں

اُٹھّے ہے جنازہ ہے مِرا بزم سے تیری
میں آپ تِری بزم سے اُٹھّا تو نہیں ہوں

سِیتا ہوں جو کانٹوں سے کھُلے زخم تو کیا غم
منت کشِ احسانِ مسیحا تو نہیں ہوں

کہتا ہے کیوں "محروم" مجھے سارا زمانہ
محرومِ ستم ہائے زمانہ تو نہیں ہوں

ہر شخص مجھے روند کے گزرے ہے الٰہی
احساس کا پیکر ہوں مَیں رَستہ تو نہیں ہوں



(جناب آفتاب مضطر کی زمین میں)

مے میں خاک مزہ رکھا ہے

"تیرا درد چُھپا رکھا ہے"

راہِ وفا کو اہلِ جفا نے

کیسا کھیل بنا رکھا ہے

سوچ سمجھ کر اہلِ جنوں نے

درد کا نام دوا رکھا ہے

دار و رسن ہیں جائے عبادت

دیر و حرم میں کیا رکھا ہے

مصرع مصرع جوڑ کے ہم نے

تیرا درد سجا رکھا ہے



(واوین میں مصرع ناصر کاظمی کا ہے)

جانے والے نے مرا حال جو پوچھا ہو گا
دل جگر تھام کے اک بار تو بیٹھا ہو گا

پھر دِلاسوں کی صدا اُٹھّی ہے خستہ گھر سے
پھر سے معصوم کوئی بھوک میں جاگا ہو گا

مونسِ ظلمتِ شب ہو گا غمِ دل آخر
درد جب درد نہ ہو گا تو مسیحا ہو گا

پھر دہکتا ہے بدَن لمس کی حدت سے مُنیبؔ
پھر وہ تصویر مری تھام کے سویا ہو گا



آس ہو گی نہ آسرا ہو گا
آپ ہوں گے نہ آپ سا ہو گا

خون بہنے لگا ہے نہروں میں
شیخ جنت میں آبسا ہو گا

اپنے کردار پر نظر رکھنا
وقت اچھا کبھی بُرا ہو گا

قتلِ ناحق سے کر دیا انکار
"سرفروشوں" میں سر پھرا ہو گا

اک ضرورت خدا کی ہے ہم کو
تُو نہ ہو گا تو دوسرا ہو گا



بھڑاس

دیس کے "مومنوں" کے سینوں میں
اوڑھ کر حُبِّ دِین کی چادر
پھر جہنم کی آگ بھڑکی ہے



(ایک مبینہ "گستاخ" کے لاشے پر "مومنوں" کی حرکات دیکھ کر)

ظریفانہ

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار

کہا، دل کی کوئی قیمت نہیں ہے
کہا، فقرہ پرانا ہو گیا ہے!
کہا، جنت میں ہم تم ساتھ ہوں گے
کہا، تجھ کو بھی دھوکا ہو گیا ہے؟
کہا، چاہت نہیں تو غم عطا ہوں
کہا، اُن کا بھی سودا ہو گیا ہے!
کہا، اپنا تھا جو اُس کو ہوا کیا؟
کہا، وہ اب پرایا ہو گیا ہے!
کہا، مانگا ہے تجھ کو ہر دعا میں
کہا، جو کچھ تھا لکھّا، ہو گیا ہے!
کہا، گیتوں میں تجھ کو قید کر لوں؟
کہا، ناداں تجھے کیا ہو گیا ہے!
کہا، آتا نہیں جینا ترے بِن
کہا، جا تُو نکما ہو گیا ہے!

یہ کہہ کر چل دیا ظالم مگر پھر
مڑا اور مڑ کے دیکھا ایک پَل کو
نظر میں اِک شرارت موجزن تھی
شرارت وہ کہ جس کے سِحر میں گم
بظاہر بُت بنا بیٹھا ہوں لیکن
"دروں کہرام برپا ہو گیا ہے"



(واوین میں مصرع جناب اکرام اعظم کا ہے)

کہیں مطلع نہیں ہوتا، کہیں مقطع نہیں ہوتا
غزل کے نام پر صاحب یہاں کیا کیا نہیں ہوتا

ہماری بے خودی ہے یہ، کہ تم آسیب ہو جاناں؟
وہاں مِلتا ہے پیمانہ، جہاں رکھا نہیں ہوتا

ہزاروں غم ہیں دنیا میں، مگر شاعر کا غم اِتنا
جو اچھا شعر سنتا ہوں، وہ شعر اپنا نہیں ہوتا

بہت سچے تو ہیں بچے، مگر ہیں عقل کے کچے
خدایا عقل دے اِن کو، کہ سچ اچھا نہیں ہوتا

سنی جب چاپ قدموں کی، رفو چکر ہوئے دونوں
کہ عشق اندھا تو ہوتا ہے، مگر بہرا نہیں ہوتا

تلفظ "وَزْن" ہے اِس کا، مجھے معلوم ہے لیکن
یہاں میں "وَزُن" باندھوں تو "وَزَن" پورا نہیں ہوتا

مُنیبؔ ایسا بھی کیا غم ہے کہ سب کچھ چھوڑ بیٹھے ہو
سُخن کو ہمنوا کر لو، سفر تنہا نہیں ہوتا



اُس کو دیکھ کے "اچھے اچھے"

تھوڑے لِبرَل ہو جاتے ہیں

چھوڑو چُھپ چُھپ کر مِلنے کو

ہم تم لِیگَل ہو جاتے ہیں

سَوتی قوموں کے بالآخر

سپنے رَینٹَل ہو جاتے ہیں

"رلیَل" لکھنے سے کیا بھیا

پنکھے رلیَل ہو جاتے ہیں؟

ویسے ہم گستاخ نہیں پر

زیرِ بوتل ہو جاتے ہیں

عاشق تیرے بیٹھے بیٹھے

آخر فاسَل ہو جاتے ہیں

اکثر گہرا سوچنے والے
اکثر مینٹل ہو جاتے ہیں

خود آگاہی سے کیا حضرت
مرغے اِیگل ہو جاتے ہیں؟

شعر ہمارے سُن کر بلبل
سَینٹِیمنٹَل ہو جاتے ہیں

"نوبَیل" پرائز ملنے سے کیا
قاتل نوبَل ہو جاتے ہیں؟

سردی میں سویڈن کی صاحب
شکوے ڈَینٹَل ہو جاتے ہیں

نیت میں جب کھوٹ ہو پیارے
مشکل سب حل ہو جاتے ہیں



(چند برس پہلے کی غزل، تازہ اضافوں کے ساتھ)

اے سی نہ سہی پنکھا چلانے کے لئے آ

آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لئے آ

کب سے ترِی حدت سے ہے محروم زمانہ

روٹی پڑی توّے پہ پکانے کے لئے آ

اب تو مِرے بچے مجھے کہنے لگے "سائیں"

کچھ اور نہیں منہ ہی دُھلانے کے لئے آ

لیڈر رہے تُو، باہر ہے تُو، تڑپیں ترِے ور کر

تُو ہم سے خفا ہے تو خزانے کے لئے آ

بھرتا ہے مِرا پیٹ ترا جوشِ خطابت

تقریر وہی پھر سے سنانے کے لئے آ

کرتی ہے بہت خوار رہِ شہرِ تمنا

اِک روڈ وہاں تک بھی بنانے کے لئے آ

دفتر میں ذرا دیر ہو، چِلاّئے ہے بیگم
ابّا ہے تُو، بچوں کو ڈرانے کے لئے آ

ہتھیار کیے تیز، نگہ، غمزہ و اَبرو
چُپکے سے کبھی دل کو اٹھانے کے لئے آ

ڈھونڈے ہے تجھے رؤیتِ خوباں کی کمیٹی
اے ماہ جبیں عید کرانے کے لئے آ



یہ شمعیں چھوٹی
چھوٹی سی

اِبنِ مُنیب